حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصول استنباط: ایک تحقیقی مطالعہ

Hażrat 'Āyeshah (R.A)'S Principles of Deduction: (An evaluation)

ڈاکٹر عائشہ صنوبر*
ڈاکٹر محمد علی**

ABSTRACT

This article dealt with the description of services of Hażrat 'Āyeshah (R.A) in the field of principles of derivation of legal rules from the legal texts of the Holy Quran and prophetic traditions, which is the second part of the series, in first part Quran was focused in this regard while in this article other sources of Islamic law as Prophetic tradition etc. have been discussed and their applications in the juristic approach of Hażrat 'Āyeshah, likewise, Qiyās is a method that uses analogy/ comparison to derive Islamic legal rulings for new developments due to importance and the need of society. Umm Al-Momineen Hażrat 'Āyeshah (R.A) used to derive a ruling for new situations that are not addressed by Qur'an and Sunnah. Istiḥsān is the fourth principle of derivation of Aḥkām. Likewise, other sources considered by her including Istiḥsān, Istisḥāb, 'Urf as principle of derivation of Aḥkām. 'Urf is an Arabic Islamic term referring to the custom or knowledge of a given society. Furthermore, the method adopted for research is deductive. The study found that Hażrat 'Āyeshah applied the said sources in her process of derivation of legal rules of Islam, which were followed by Muslim jurists in this regard, So it is recommended that student of Islamic Law should study efforts of the companion of Prophet peace be upon him and their principles in the field.

Keywords: *Great scholar of islam, Hażrat 'Āyeshah (R.A) contribution in usul Al-fiqh(Islamic law), A role model for women. the principles of derivation of Ahkam. Usul Al-Istimbāṭ of Hażrat 'Āyeshah (R.A).*

* لیکچرار، شعبۂ فکر اسلامی، تاریخ و ثقافت، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
** ریسرچ آفیسر، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد

موضوع کا تعارف و اہمیت

اسلام ایک مکمل دین ہے جسکی اسلامی تعلیمات کا اولین ماخذ و منبع قرآن کریم ہے۔ تمام علوم میں قرآن کریم کی حیثیت ایک مکمل دستورِ حیات کی ہے جبکہ سنت رسول ﷺ کی حیثیت قرآن کریم کی تفسیر و تشریح کی ہے ۔دین اسلام کی تکمیل نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ سے ہوئی۔ اسلام فطری، ابدی اور عالمگیر دین ہے اس میں انسانی حالات وزمانہ کی مکمل رعایت رکھی گئی ہے۔ حالات وزمانہ تغیر پذیر ہیں اور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے ساتھ مسائل زندگی بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں ۔پیش آمدہ مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کرنے کے لئے فقہ کی ضرورت و اہمیت دوچند ہو جاتی ہے کیونکہ نصوص محدود ہیں اور مسائل وفروعات لامحدود ہیں جن کا حل ہر دور میں فقہاء اور مجتہدین نے ان اصول اور کلیات کی روشنی میں پیش کیا ہے جو قرآن وسنت سے ماخوذ اور مستنبط ہیں۔ اسلام میں حصول تعلیم کو عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد امت کو تعلیم دینا ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ نے امت کی تعلیم وتربیت کے لئے صحابہ کرام وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعلیم و تربیت کی کہ آپ ﷺ کے بعد امت کی تعلیم و تربیت کا فریضہ صحابہ کرام و صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سرانجام دیا۔ اس سلسلے میں امہات المؤمنین کا کردار سنہرے حروف میں لکھے جانے کا مستحق ہے بالخصوص ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تفسیر، حدیث اور فقہ میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے دینی علوم کی باریکیوں کو سمجھتی اور مسائل سنتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک مسجد نبوی سے متصل تھا اس لئے مسجد نبوی میں دیئے جانے والے دروس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا استفادہ کرتیں۔ آپ رضی اللہ عنہا علم و حکمت کی باتوں اور احکام کو یاد رکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دقّت رسی اور نکتہ فہمی سے نوازا۔ آپ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کثرت کے ساتھ تفقہ، اجتہاد، فکر اور قوت استنباط میں ممتاز تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جن مختلف علمی مجالات میں کمال حاصل کیا تھا ان میں سے ایک مجال شریعت اسلامیہ کے عملی احکام کا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہا تاریخ اسلام کی ابتدائی مایہ ناز فقہاء کی صف میں منفرد مقام کی حامل شخصیت تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا نے فہم نص اور درایتی معیارات کی مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ یہی وہ خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علمی مرجع بن چکیں تھیں۔ کبار صحابہ کرام بھی آپ رضی اللہ عنہا کے اقوال اور آراء پر عمل کرنے میں تامل سے کام نہیں لیتے تھے بلکہ آپ رضی اللہ عنہا کی آراء کو نہایت فراخدلی کے ساتھ اہمیت دیا کرتے تھے۔

زیرِ نظر مقالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصولِ استنباط کا حصّہ دوم ہے مقالہ کے حصّہ اوّل کا موضوع بحث "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قرآن کریم سے استنباط احکام میں منہج" تھا جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شریعت اسلامیہ کی قانونی باریکیوں سے بخوبی آگاہ تھیں اور نصوص شریعت پر مہارت تامہ رکھتی تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا

شریعت اسلامیہ کے بنیادی مصدر قرآن کریم کے علوم، اسرار و رموز کی ماہر تھیں اور قرآن کریم کے احکام کے شانِ نزول، اسباب، محکم، متشابہ، تعارض و ترجیح، ناسخ و منسوخ کے علوم پر مکمل عبور رکھتی تھیں۔ اس مہارت اور لیاقت کی بدولت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نصوص قرآنی سے استنباط مختلف طریقوں سے کرتی تھیں۔ مثلاً: ا۔ محکم آیات سے استدلال کے طریقے: ا۔ دلالت ظاہرہ، ب۔ دلالت ظاہرہ مجتمعہ، ج۔ دلالت ظاہرہ متفرقہ، ۲۔بظاہر متعارض آیات، ۳۔ خفی الدلالۃ، ۴۔ تاویل، ۵۔ تعلیل، ۶۔ آیات سے عمومی حکم اخذ کرنا، ۷۔ آیات کے مفہوم سے احکام کا استنباط، ۸۔ منسوخ آیات، ا۔ آیت کا حکم منسوخ ہے اور تلاوت باقی ہے: ب۔ عدم نسخ۔ حصّہ اوّل مجلہ البصیرہ جلد ۵، شمارہ ا، سال ۲۰۱۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ جبکہ مقالہ ہذا (حصّہ دوم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصول استنباط کے سلسلہ کی دوسری بحث ہے۔ اس مقالہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اصول استنباط میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قیاس، استحسان، استصحاب اور عرف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استنباط کے اصول:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا دوسرا اصول استنباط یہ ہے کہ جس مسئلہ کی دلیل قرآن مجید میں نہ ملے اسے حدیث میں تلاش کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سنت کی اہمیت سے بخوبی واقف تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کا شمار مکثرین راویان حدیث میں ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث کی سند اور متن دونوں میں مہارت رکھتی تھیں۔ آپ سنت مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسبِ ذیل طریقوں سے استنباط فرماتی تھیں۔

۲۔ سنت

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی قانون کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن کریم میں بیان کردہ احکام کی تشریح رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے فرمائی۔ سنت کے لغوی معنی ہیں: راستہ، طریقہ اور طریقہ زندگی کو کہتے ہیں۔ علامہ آمدی رحمۃ اللہ علیہ [۱] نے سنت کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ "تحقیق سنت کے لفظ کا اطلاق ان دلائل شریعہ پر ہو گا جو وحی متلو (قرآن کی مثل) نہیں ہیں اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال، افعال اور تقریرات شامل ہوں گے۔"[۲]

قرآنی احکام کو سمجھنا اور عمل پیرا ہونے کے لئے احادیث مبارکہ سے رہنمائی از بس ضروری ہے۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت بنیادی ماخذ شریعت کی ہے۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ احادیث مبارکہ کی اہمیت بیان کرتے

---

(۱) سیف الدین آمدی (۵۵۱ھ - ۶۳۱ھ) اصول فقہ کے عالم، حصول تعلیم کے لئے بغداد، شام کا سفر کیا جبکہ وفات دمشق میں ہوئی۔ زرکلی، خیر الدین، دمشقی (المتوفی: ۱۳۹۶ھ)، دار العلم للملایین، طبع: پندرہویں، ۲۰۰۲ء، ۴/۳۳۲

(۲) آمدی، علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، دار لکتاب العربی، بیروت، ۱/۱۶۹

ہوئے لکھتے ہیں:

"قد اتفق من يعتد به من أهل العلم على أن السنة المطهرة مستقلة بتشريع الأحكام وأنها كالقرآن في تحليل الحلال وتحريم الحرام".[١]

"اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ سنت مطہرہ تشریعی احکام میں مستقل حیثیت کی حامل ہے اور کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دینے میں اس کا درجہ قرآن کریم ہی کی طرح ہے"۔

رضائے الٰہی کا حصول اتباع رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لازم وملزوم ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[٢]

ترجمہ:(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو(تاکہ) خدا بھی تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بھی معاف کردے اور اللہ تو بخش دینے والا مہربان ہے۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفتی محمد شفیعؒ نے سنت رسول اللہ ﷺ کی اہمیت کے بارے میں لکھا ہے۔اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ ہو تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی ﷺ کی کسوٹی پر آزما کر دیکھ لے۔سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔جو شخص اپنے دعوی میں جتنا سچا ہو گا اتنا ہی حضور اکرم ﷺ کی اتباع کا زیادہ اہتمام کرے گا،اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بنائے گا،اور جتنا اپنے دعوے میں کمزور ہو گا اسی قدر آپ ﷺ کی اطاعت میں سستی اور کمزوری دیکھی جائے گی[٣]۔

نبی کریم ﷺ قرآن کریم کی عملی تفسیر ہیں،جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم ﷺ کے اخلاقِ حمیدہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ كَانَ الْقُرْآنَ»[٤]

"نبی کریم ﷺ قرآن کریم کی عملی تفسیر تھے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے براہ راست تعلیم حاصل کی آپ رضی اللہ عنہا کو علوم دینیہ میں دقیق فہمی کا خصوصی ملکہ حاصل تھا۔

---

(١) شوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، دار الکتاب العربی، طبع اول، ۱۹۹۹ء، ۱/ ۹٦

(٢) سورۃ آل عمران:۳۱

(٣) شفیع، محمد، مفتی، معارف القرآن، مکتبۂ معارف القرآن، کراچی، ۲/ ۵۴

(٤) قشیری، مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جَامِعِ صَلاَةِ اللَّيْلِ وَمَنْ نَامَ عَنْهُ أَوْ مَرِضَ، حدیث نمبر:۱۷۷۳، دار الجیل بیروت، ۲/ ۱٦۸

استنباط کے حوالے سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا احادیث مبارکہ سے تعامل دو طرح سے ہے:

۱۔ ثابت شدہ احادیث　　۲۔ غیر ثابت شدہ احادیث

ثابت شدہ احادیث:

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا احادیث مبارکہ سے استنباط کرنے سے قبل ورود حدیث دیکھتیں اگر ورود حدیث ثابت ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث سے درج ذیل طرق سے استنباط کرتی تھیں۔

۱- ظاہرۃ الدلالۃ:

ظاہرۃ الدلالۃ سے مراد ایسی حدیث جس سے احکام کا استنباط واضح طور پر ہو، حدیث کے الفاظ میں کسی قسم کا اخفاء نہ ہو اور نہ ہی اخفاء کا احتمال ہو۔ آپ رضی اللہ عنہا اس حدیث سے واضح حکم مراد لیتی تھیں مثلاً ولاء کو آزاد کرنا۔

عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ بَرِيرَةَ جَاءَتْ تَسْتَعِينُ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ الله عَنْها فَقَالَتْ لَهَا: "إِنْ أَحَبَّ أَهْلُكِ أَنْ أَصُبَّ لَهُمْ ثَمَنَكِ صَبَّةً وَاحِدَةً فَأُعْتِقَكِ (وَأُعْتِقَكِ) فَعَلْتُ"، فَذَكَرَتْ بَرِيرَةُ ذَلِكَ لِأَهْلِها، فَقَالُوا: "لَا! إِلَّا أَنْ يَكُونَ وَلَاؤُكِ (الْوَلَاءُ) لَنَا. قَالَ مَالِكٌ: قَالَ يَحْيَى: "فَزَعَمَتْ عَمْرَةُ أَنَّ عَائِشَةَ ذَكَرَتْ ذَلِكَ لِرَسُولِ الله ﷺ، فَقَالَ: «اشْتَرِيها وَأَعْتِقِيها فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ» (۱)

"حضرت عمرہ بنت عبد الرحمن سے روایت کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدد لینے آئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان (حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا) سے کہا! اگر تمہارا مالک یہ صورت پسند کرے کہ میں مکاتبت کی ساری رقم ایک ہی مرتبہ ادا کر دوں؟ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرط کا ذکر اپنے آقا سے کیا۔ اس کے جواب میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے آقا نے کہا! ہمیں اس شرط پر منظور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی ولاء ہمارے ساتھ قائم رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس شرط کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا! آپ ﷺ نے فرمایا اسے خریدو اور آزاد کر دو۔ ولاء اس کی ہوتی ہے جو آزاد کرے"

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ جو آزاد کرے گا ولاء اس کے لئے ثابت ہے، اور اس کے لئے نہیں ہے جو مالک ہے۔ چاہے آزاد کراتے وقت مالک اس کی شرط لگا لیں، کیونکہ آزاد کرنے کی نسبت اس کی طرف ہو گی جس نے پیسے دے کر غلام آزاد کرایا نہ کہ مالک کی طرف جس نے پیسے وصول کئے۔ چنانچہ اگر مالک اس قسم کی شرط کے ساتھ آزادی کو مشروط کر دے، تو یہ شرط فاسد ہے۔ نیز شرط فاسد سے بیع فاسد نہیں ہو گی بلکہ بیع صحیح ہو گی اور شرط

(۱) بخاری، محمد بن اسماعیل ابو عبد اللہ، صحیح بخاری، کتاب العتق، باب باب بیع المکاتب إذا رضی، حدیث نمبر: ۲۴۲۵، تحقیق: د. مصطفی دیب البغا، دار ابن کثیر، بیروت، طبع سوم: ۱۹۸۷ء، ۲/ ۹۰۴

باطل ہو جائے گی۔ البتہ اگر مالک کسی کہنے پر اور ترغیب دلانے پر کسی غلام کو مفت میں آزاد کر دے تو اس صورت میں مالک کے لئے ولاء کا ثبوت ہو گا۔

ب- تعلیل الحدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا احادیث سے استنباط کرتے ہوئے اکثر ان روایات کے علل و اسباب بھی بیان کرتی تھیں۔ وہ خاص حکم جن مصلحتوں پر مبنی رہتا ہے، ان کی تشریح کرتی تھیں۔ اگر حدیث "ظاهرة الدلالة" نہ ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا "غير ظاهرة الدلالة" حدیث کے حکم کی علّت بیان کر کے "مسئلہ "کا استنباط فرماتی تھیں۔ مثلاً جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حدیث روایت کرتے ہی ں۔

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:«مَنْ جَاءَ مِنْكُمُ الجُمُعَةَ فَلْيَغْتَسِلْ»[۱]

"میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میں سے جو بھی جمعہ کی نماز کے لئے آئے پس اسے چاہئے کہ وہ غسل کرے"۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ:«غُسْلُ يَوْمِ الجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ»[۲]

"بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے"۔

اسی مسئلہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَنْتَابُونَ يَوْمَ الجُمُعَةِ مِنْ مَنَازِلِهِمْ وَالْعَوَالِيِّ فَيَأْتُونَ فِي الْغُبَارِ يُصِيبُهُمُ الْغُبَارُ وَالْعَرَقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُمُ الْعَرَقُ فَأَتَى رَسُولَ اللهِ ﷺ إِنْسَانٌ مِنْهُمْ وَهوَعِنْدِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «لَوْ أَنَّكُمْ تَطَهَّرْتُمْ لِيَوْمِكُمْ هذَا»[۳]

"لوگ اپنے اپنے گھروں سے اور مدینہ کی آبادیوں سے جمعہ کے روز آتے تھے۔ وہ غبار اور پسینے میں شرابور ہوتے تھے ان کے بدن سے پسینہ نکلتا تھا۔ ایک بار ایک شخص ان میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بہتر ہو تا اگر آج کے دن غسل کر لیتے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دوسری روایت میں جمعہ کے دن غسل کے مستحب ہونے کے حکم کی تصریح ان الفاظ میں فرمائی۔

«قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّه عَنْها: كَانَ النَّاسُ مَهنَةَ أَنْفُسِهمْ، وَكَانُوا إِذَا رَاحُوا

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجمعة، بَابُ هَلْ عَلَى مَنْ لَمْ يَشْهدِ الجُمُعَةَ غُسْلٌ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَغَيرِهمْ، حدیث نمبر: ۸۹۴، ۲ / ۵

(۲) ایضاً، حدیث ۸۹۵، ۲ /۵

(۳) ایضا، کتاب الجمعة، باب من أین تؤتی الجمعة وعلى من تجب، حدیث نمبر: ۸۶۰، ۱/ ۳۰۶

إِلَى الجُمُعَةِ، رَاحُوا فِي هَيْئَتِهِمْ فَقِيلَ لَهُمْ: لَوِ اغْتَسَلْتُمْ»[1]

درج بالا روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث مبارکہ کی یہ علّت بیان کی کہ جمعہ کے دن غسل کا اس لئے کہا گیا کہ گردوغبار، پسینے کی بدبو وغیرہ، زائل ہو جائیں، اور دوسرے لوگوں کو اس سے ایذاء نہ پہنچے۔

حدیث مبارکہ کی علّت بیان کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرنا مستحب ہے نہ کہ فرض۔ اس حکم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث کی علّت بیان کر کے مستنبط کیا ہے۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اصحاب ظواہر جمعہ کے دن غسل کو واجب قرار دیتے ہیں جبکہ جمہور اہل علم اسے سنت سمجھتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ قول صاحب بدایۃ المجتہد نے نقل کر کے اس کی توجیہ کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں یہ صرف نظافت پر محمول ہے نہ کہ عبادت اس لئے یہ افضل ہے ورنہ وضوء کافی ہے۔ یہ تعلیل اس لئے بھی اقراب الی الصواب ہے کہ اگر ایک شخص پر غسل شرعی واجب نہیں اور نہ ہی اس کا بدن میلا ہے تو اسے غسل کرنے کی محض نماز کے لئے ضرورت نہیں ہوتی البتہ جمعہ کے دن چونکہ اجتماع عام ہوتا ہے اس لئے نظافت کو مستحب قرار دیا گیا تاکہ ماحول صاف رہے۔

تعلیل حدیث کی ایک اور مثال "مطلقہ ثلاثہ" کے نان نفقہ سے متعلق ہے۔ مطلقہ ثلاثہ کا نان نفقہ دوران عدت شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا مؤقف ہے کہ طلاق ثلاثہ کے بعد "نان نفقہ" کا حق ساقط ہو جاتا ہے اور ان کی دلیل یہ روایت ہے:

"عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ أَنَّ أَبَا عَمْرِو بْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَهوَ غَائِبٌ فَأَرْسَلَ إِلَيْها وَكِيلُه بِشَعِيرٍ فَسَخِطَتْه فَقَالَ وَاللّٰه مَا لَكِ عَلَيْنَا مِنْ شَيْءٍ فَجَاءَتْ رَسُولَ اللّٰه ﷺ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ لَه فَقَالَ: «لَيْسَ لَكِ عَلَيْه نَفَقَةٌ». فَأَمَرَها أَنْ تَعْتَدَّ فِي بَيْتِ أُمِّ شَرِيكٍ."[2]

"حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ابو عمرو حفص نے انہیں طلاق بائن دے دی جبکہ وہ خود شہر میں نہیں تھے اور اپنی طرف سے ایک وکیل کو کچھ جو دے کر حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا اس پر حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ناراض ہوئیں تو وکیل نے کہا خدا کی قسم تمہارے لئے ہم پر کچھ واجب نہیں پھر حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا یہ مسئلہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور سارے معاملہ کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے ان کے ذمے کچھ واجب نہیں"۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب وقت الجمعۃ اذا زالت الشمس، حدیث نمبر: ۹۰۳، ۲/ ۷

(۲) صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ ثلاثا لا نفقۃ لہا، حدیث نمبر: ۳۷۷۰، ۴/ ۱۹۵

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت کا علم ہوا تو آپ نے حدیث کی تشریح کرتے ہوئے وجۂ رخصت اور نان نفقہ اور سکنیٰ نہ ملنے کی تصریح اس طرح فرمائی ہے:

لَقَدْ عَابَتْ ذَلِكَ عَائِشَةُ رضی الله عنها أَشَدَّ الْعَيْبِ يَعْنِي حَدِيثَ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ وَقَالَتْ: «إِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِي مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيفَ عَلَى نَاحِيَتِها فَلِذَلِكَ رَخَّصَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ»[(١)]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث پر شدید اعتراض کیا اور کہا کہ فاطمہ (بنت قیس) کا گھر آبادی سے دور اور غیر محفوظ تھا اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کو رخصت دی کہ وہ اپنے ایام عدت دوسرے مقام پر گزاریں"۔

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ بھی فرمائے:

«مَا لِفَاطِمَةَ أَلَا تَتَّقِي الله؟! يَعْنِي فِي قَوْلِها لَا سُكْنَى وَلَا نَفَقَةَ»[(٢)]

"اپنے مؤقف سکنیٰ اور نفقہ نہ ملنے پر اللہ سے ڈرو"۔

چنانچہ صاحب مبسوط نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ عورت (حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا) عالم کو آزمائش میں ڈال دے گی اور اس مسئلہ میں دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی رائے بھی آپ رضی اللہ عنہا کی رائے کے مطابق و موافق تھی۔[(٣)] چنانچہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا مسئلہ ایک خاص تناظر پر محمول کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں احناف کا مؤقف یہ ہے کہ اس کے لئے نفقہ اور سکنیٰ دونوں ہے جبکہ شوافع کے ہاں صرف سکنیٰ ہے اور نفقہ نہیں ہے۔[(٤)]

درج بالا روایت سے واضح ہوا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث مبارکہ سے استنباط کرتے ہوئے علّت کو پیش نظر رکھتی تھیں۔ یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ بعض مسائل کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو اختلاف ہوتا وہ اختلاف فہم پر مبنی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس فہم و ذکاء کے عطیہ الٰہی سے بھی حظِ وافر ملا تھا اور آپ رضی اللہ عنہا نے اس سے فنِ حدیث کو بہت فائدہ پہنچایا۔

ج- تاویل الحدیث:

تاویل أوّل، يُؤَوِّلُ، سے ماخوذ ہے۔ باب تفعیل کا مصدر جس کے لغوی معنیٰ رجوع کرنے کے ہیں۔

---

(١) ابن ماجہ، محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب هل تخرج المراة فی عدتها، حدیث نمبر:٢٠٣٢، دارالفکر، بیروت، ١/ ٦٥٥

(٢) صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب قصۃ فاطمۃ بنت قیس رضی اللہ عنہا، حدیث نمبر:٥٠١٦، ٥/ ٢٠٣٩

(٣) سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، دارالمعرفۃ بیروت، ٥/ ٢٠١

(٤) کاسانی، ابو بکر بن مسعود بن احمد، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیۃ، ١٩٨٦، ٣، ص: ٢٠٩

اصطلاح میں تاویل کی تعریف ہے:

"هو صرف اللفظ عن المعنى الراجح إلى المرجوع لدليل يقترن به"(١)

"کسی دلیل کے پیش نظر لفظ کے راجح معنی کو ترک کر کے مرجوح معنی مراد لے لینا تاویل کہلاتا ہے"۔

درج بالا تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ جس لفظ کے معنی میں تاویل کی جارہی ہو اس میں دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

١۔ "لفظ" سے جو معنی مراد لیا جارہا ہے وہ لفظ اس کا احتمال بھی رکھتا ہو۔

٢۔ دلیل اور قرینہ کی بناء پر راجح معنی چھوڑ کر مرجوح معنی مراد لیا ہے (بالفاظ دیگر وہ تاویل فاسد ہو گی بلکہ، تحریف کے زمرہ میں آئے گی۔) تاویل الحدیث کی مثال درج ذیل حدیث مبارکہ ہے:

«قَالَ ﷺ لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلٌ كَانَ يَصُومُ صَوْمَه (صَوْماً) فَلْيَصُمْ ذَلِكَ الْيَوْمَ» (٢)

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص رمضان سے پہلے (شعبان کی آخری تاریخوں میں) ایک یا دو دن کے روزے نہ رکھے، البتہ اگر ان دنوں میں کسی کو روزہ رکھنے کی عادت ہو تو وہ اس دن بھی روزہ رکھ لے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اہل علم اور عوام الناس مسائل کا حل پوچھتے تھے۔ جیسا کہ درج ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے، کہ جس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختلف مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا اور ایک سوال رمضان سے پہلے مختلف فیہ دن کا روزہ رکھنے کے بارے میں کیا گیا:

"وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ: "أَرْسَلَنِي مُدْرِكٌ أَوِ ابْنُ مُدْرِكٍ إِلَى عَائِشَةَ أَسْأَلُهَا عَنْ أَشْيَاءَ، فَأَتَيْتُها وَسَأَلْتُها عَنِ الْيَوْمِ الَّذِي يُخْتَلَفُ فِيه مِنْ رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: «لَأَنْ أَصُومَ يَوْمًا مِنْ شَعْبَانَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُفْطِرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ» (٣)

"عبداللہ بن ابی موسیٰ سے روایت ہے کہ مجھے مدرک یا ابن مدرک نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کچھ مسائل پوچھنے کے لئے بھیجا۔ میں آیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ مختلف فیہ دن کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہا کی کیا رائے ہے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں شعبان کے دن کا

---

(١) مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، طبع سوم، ٢٠٠٠ء، ص: ٢٢٣

(٢) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب لا یتقدم من رمضان بصوم یوم ولا یومین، حدیث نمبر: ١٨١٥، ٢/ ٦٧٦

(٣) شیبانی، ابو عبد اللہ، احمد بن محمد بن حنبل (م: ٢٤١ھ) مسند الإمام احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ٢٤٩٤٥، مؤسسۃ الرسالۃ، ٢٠٠١ء، ٤١/ ٤٢١

روزہ رکھنا پسند کرتی ہوں بہ نسبت اس کے کہ رمضان کا روزہ افطار کروں"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درج بالا قول سے واضح ہوتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے حدیث میں تاویل کی اور آپ رضی اللہ عنہا کے قول کو حدیث مبارکہ کے دوسرے حصے سے تقویت ملتی ہے۔بظاہر تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت پہلی روایت سے متعارض لگتی ہے کیونکہ شعبان میں روزہ رکھنے کی ممانعت ہے لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف ان حضرات سے متعلق ہے جن کا معمول پندرہ شعبان سے پہلے بھی روزے کا ہو۔ان کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے صاحب المغنی نے ان کے درمیان یہی تطبیق ذکر کی ہے کہ تعارض نہیں بلکہ مصداق پر محمول کرنے میں تاویل ہے۔ [١]

٢- غیر ثابت شدہ احادیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک حدیث کا ورود ثابت نہ ہو تو آپ رضی اللہ عنہا اس حدیث کو رد فرمادیتی اور اس کی دو حسبِ ذیل صورتیں ہیں۔

ا- منکر حدیث

منکر حدیث سے مراد حدیث کا اصل ثابت نہ ہو تو آپ رضی اللہ عنہا اس حدیث کی تنکیر فرماتی اور اس حدیث سے احکام کا استنباط نہیں فرماتی تھیں ۔

نمازی کے سامنے سے کوئی عورت، جانور گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں اس پر اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ نمازی کے سامنے سے کتا، گدھا یا حائضہ عورت کے گزرنے یا یہودی، نصرانی، مجوسی، خنزیر گزرے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر یہ جاندار ایک پتھر پھینکنے کے فاصلہ سے گزریں تو نماز باطل نہیں ہوتی۔[٢] ان کی دلیل مذکورہ بالا روایت ہے۔ جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے اس کے برعکس ہے کہ نمازی کے سامنے سے عورت کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے درج ذیل حدیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔

«أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَقُومُ فَيُصَلِّي مِنْ اللَّيْلِ وَإِنِّي لَمُعْتَرِضَةٌ بَيْنَه وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أهله» [٣]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجۂ رسول اللہ ﷺ کہتی ہیں۔نبی کریم ﷺ کھڑے ہوتے اور رات کی

---

(١) ابن قدامۃ، عبد اللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرۃ، ١٩٦٨ء، ٣/١٠٦

(٢) بیہقی، احمد بن الحسین بن علی، سنن الکبری، کتاب الحیض، باب من قال یقطع الصلاۃ اذا کم، حدیث نمبر: ٣٣٠١، تحقیق: محمد عبد القادر عطا، مکتب ۃ دار الباز، مکۃ المکرمۃ، ١٩٩٤ء، ٢/ ٢٧٥

(٣) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب من قال لا یقطع الصلاۃ، حدیث نمبر: ٤٩٣، ١/ ١٩٣ ، ایضاً، باب الصلاۃ علی الفراش، حدیث نمبر: ٣٧٦، ١/ ١٥٠

نماز پڑھتے اور میں آپ ﷺ اور قبلہ کے درمیان اپنے بستر پر لیٹی ہوتی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس مؤقف کی تائید ایک دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے۔

مسروق روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ان چیزوں کا ذکر کیا گیا جو نماز توڑ دیتی ہیں یعنی کتا، گدھا اور عورت۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم لوگوں نے ہمیں گدھوں اور کتوں کی طرح بنا دیا۔ حالانکہ خود نبی کریم ﷺ اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ میں چارپائی پر آپ ﷺ اور قبلے کے درمیان لیٹی رہتی تھیں۔ مجھے کوئی ضرورت پیش آتی اور چونکہ مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ آپ ﷺ کے سامنے بیٹھوں جبکہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوں۔ جس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہو، اس لئے میں آپ ﷺ کے پاؤں کی طرف خاموشی سے نکل جاتی۔[۱]

درج بالا طریقہ استدلال سے واضح ہوا کہ احادیث روایت کرنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حد درجہ احتیاط کرتیں اور حدیث کے متن کو سمجھ کر استنباط فرماتی تھیں۔ حدیث کے اصل مفہوم کو واضح کرتی تھیں ۔جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتون بحیثیت انسان لائق تکریم و شرف ہے اور اسے ان جانوروں کے ساتھ ملانے میں انسانی شرف پر حرف آتا ہے۔ جس کا صدور جناب رسول اللہ ﷺ سے محال ہے اس لئے آپ رضی اللہ عنہا نے اس کا سختی سے رد فرمایا۔

ب- منسوخ حدیث

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ورود حدیث کے ساتھ ساتھ حدیث کے نسخ ہونے کو بھی دیکھتی تھیں۔ اگر حدیث منسوخ ہوتی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا "منسوخ حدیث" سے حکم مستنبط نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ اس حدیث کے علاوہ دوسری احادیث سے استنباط کرتی تھیں۔ مثلاً: متعہ کے بارے میں کسی نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا۔ ام المؤمنین نے قرآن سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ! میرے اور تمہارے درمیان کتاب اللہ فیصل ہے اور آپ رضی اللہ عنہا نے قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔[۲]

﴿وَالَّذِينَ همْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ إِلَّا عَلَى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ﴾[۳]

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب من قال لایقطع الصلاۃ، حدیث نمبر:۴۹۳، ۱/ ۱۹۳، ایضاً، باب الصلاۃ علی الفراش، حدیث نمبر:۳۷۶، ۱/ ۱۵۰

(۲) نیشاپوری، محمد بن عبد اللہ، المستدرک علی الصحیحین، کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ المؤمنون، حدیث نمبر: ۳۴۸۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۱ھ، ۲/ ۴۲۷

(۳) سورۃ المؤمنون:۶-۵

”اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے) مباشرت کرنے سے انہیں ملامت نہیں“۔

آپ رضی اللہ عنہا نے اس کی مزید تصریح ان الفاظ میں فرمائی۔ ممتوعہ (جس عورت سے متعہ کیا) نہ بیوی ہے اور نہ ہی باندی ہے، اس لئے متعہ جائز نہیں[١] اور چونکہ متعہ کا حکم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا تھا اس لئے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح خیبر کے موقع پر نکاح متعہ کو حرام قرار دیا گیا۔ اسی طرح متعہ کی حرمت کے بارے میں ربیع بن سبرۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ متعہ کی حرمت کا حکم فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا اور اس سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی پھر اسے قیامت تک کے لئے حرام قرار دیا اس کے الفاظ یوں ہیں کہ: «إنَّهَا حَرَامٌ مِنْ يَوْمِكُمْ هذَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ»[٢] کہ آج کے بعد سے یہ قیامت تک کے لئے حرام ہے۔ اس ابدی حرمت کی بناء پر اس کو منسوخ قرار دیا گیا۔

۳- قیاس

قیاس کا لغوی معنی ایک چیز کو دوسری ہم مثل چیز پر پرکھنا ہے۔ ترازو کو مقیاس اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے اشیاء کی مقدار متعین کی جاتی ہے۔

اصطلاح میں قیاس سے مراد ہے:

"حَقِيقَة الْقيَاس تَعدية حكم الأَصْل إِلَى الْفَرْع لعِلَّة مُشْتَركَة"[٣]

”مشترک علت کی وجہ سے اصل کے حکم کا فرع پر لگانا قیاس کہلاتا ہے“۔

چنانچہ اس تعریف کی رو سے مقیس اور مقیس علیہ کے مابین ایک ایسی علت مشترک ہونی چاہئے جو دونوں میں یکساں طور پر پائی جاتی ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تیسرا اصولِ استنباط قیاس ہے اگر کسی مسئلے کا حل قرآن پاک اور سنت مطہرہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نہ ملے تو پھر آپ رضی اللہ عنہا قیاس سے کام لیتی تھیں۔ مثلاً:

عن هشام بن عروة قال: دخلت جارية على عائشة وفي رجلها جلاجل في الخلخال، فقالت عائشة: «أخرجوا عني مفرقة الملائكة»[٤]

---

(١) حاکم، المستدرک، حدیث نمبر:٣١٩٣، ٢/ ٣٣٤ اور حدیث نمبر:٣٤٨٤، ٢/ ٤٢٧

(٢) ابن حبان، محمد، صحیح ابن حبان، کتاب النکاح، بابُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ، ذِكْرُ الْبَيَانِ بِأَنَّ الْمُتْعَةَ حَرَّمَهَا الْمُصْطَفَى ﷺ يَوْمَ الْفَتْحِ تَحْرِيمَ الْأَبَدِ، حدیث نمبر:٤١٥٠، محقق: شعیب الأرنؤوط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، طبع: دوم، ١٤١٤ھ، ٩/ ٤٥٧

(٣) شاہ ولی اللہ، احمد بن عبد الرحیم، حجۃ اللہ البالغۃ، باب الفرق بین المصالح والشرائع، دار الکتب الحدیثۃ، القاہرہ، ١/ ٢٧٥

(٤) صنعانی، ابو بکر، عبد الرزاق بن ہمام، مصنف عبد الرزاق، کتاب أہل الکتابین، باب الہدیۃ، حدیث نمبر:١٩٦٩٩، المکتب الإسلامی - بیروت، طبع: دوم، ١٤٠٣ھ، ١٠/ ٤٥٩

"ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں کہ ایک لڑکی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی اور اس کے پاؤں میں پازیب تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! اس لڑکی کو یہاں سے لے جاؤ کیونکہ اس سے رحمت کے فرشتے چلے جاتے ہیں۔"

آپ رضی اللہ عنہا نے قیاس کیا کہ پازیب گھنٹی کی طرح بجتی ہے۔ اس لئے پازیب کا حکم بھی گھنٹی کے حکم جیسا ہے اور گھنٹی کی آواز کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! جہاں گھنٹی کی آواز ہو یا کتا ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ (۱)

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ پازیب کی آواز گھنٹی کی آواز کی سی ہے گھنٹی کا جو حکم ہے وہی پازیب کا حکم ہے۔ لہذا اس کا پہننا بھی جائز نہیں ہے۔

قیاس کی ایک دوسری مثال سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ کوے کا کھانا حرام ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا موقف اس سلسلے میں قیاس پر مبنی ہے چنانچہ مسند بزار میں آپ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ :

عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت: «إني لأعجب ممن يأكل الغراب وقد أذن النبي ﷺ للمحرم في قتله وسماه فاسقا والله ما هو من الطيبات» (۲)

"ہشام بن عروۃ اپنے والد سے روایت کرتے ہے اور وہ سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہے، کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو کوے کا گوشت تناول کرتے ہیں۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں اس کے قتل کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس پر فاسق کا اطلاق فرمایا۔ اللہ کی قسم یہ پاکیزہ اشیاء میں سے نہیں ہے۔"

اس روایت کے الفاظ پر معمولی غور و فکر سے آپ رضی اللہ عنہا کا موقف واضح ہوتا ہے کہ کوے کا گوشت کھانا حرام ہے اور اس کی دلیل وہ روایت ہے جس میں کوے کو فاسق کہا گیا ہے۔ چنانچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ فاسق ناپاک ہوتا ہے اور اس حدیث مبارکہ میں کوے کے علاوہ باقی جن فواسق کا ذکر کیا گیا ہے، وہ سارے ماکولات میں سے حرام پر مبنی ہے۔ اس لئے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان اشیاء پر قیاس کرتے ہوئے کوے پر بھی حرمت کا حکم لگایا جبکہ وجہ حرمت یا علت مشترکہ کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ یہ طیبات میں سے نہیں ہے۔ اس صورت میں علت اس کی ناپاکی ہے، جس کی طرف "فسق" کے لفظ سے اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ حرمت کی بنیاد ناپاکی ہے۔

۴- استحسان

استحسان لغت میں مصدر ہے جس کے معنی کسی شے کو اچھا جاننا اور اچھا بتانا کے ہیں۔ اسلام دین فطرت ہے

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب کَرَاہِیَۃِ الْکَلْبِ وَالْجَرَسِ فِي السَّفَرِ، حدیث نمبر: ۲۱۱۳، ۳/ ۱۶۷۲

(۱) بزار، احمد بن عمرو، المسند البزار، مکتبۃ العلوم والحکم، المدینۃ المنورۃ، ۲۰۰۹ء، ۱۸/ ۲۶۳

اور آسانی کا تقاضا کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (١)

"اللہ نے دین میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوْا بِأَحْسَنِهَا﴾ (٢)

"اپنی قوم کو حکم دیجئے کہ وہ بہترین باتوں کو اختیار کریں"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَبَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا» (٣)

"دین میں آسانی مہیا کرو اور سختی نہ کرو، خوشخبری سناؤ، تنفر نہ کرو"۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے استحسان کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"إِنَّ الِاسْتِحْسَانَ الْعُدُولُ عَنْ قِيَاسٍ إِلَىٰ قِيَاسٍ أَقْوَىٰ" (٤)

"کسی قوی تر دلیل کی بنیاد پر قیاس کو خاص کرنے کا نام استحسان ہے"۔

حاصل بحث یہ ہے کہ مصلحت کے تحت قیاس جلی کو ترک کرنا اور ایسا حکم اختیار کرنا جو لوگوں کے مفاد میں ہو کیونکہ عملی زندگی میں بعض اوقات ایسی صورتحال پیش آتی ہے۔ جس میں قیاس جلی پر عمل مصالح عامہ کے منافی ہوتا ہے، ایسے مخصوص حالات میں قیاس خفی یا دہ قوی ہوتا ہے اس پر عمل کرنے کا فتویٰ جاتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چوتھا اصول استنباط استحسان ہے۔

مثلاً: آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عموماً عورتیں مسجدوں میں آتی تھیں اور باجماعت نماز پڑتیں تھیں۔ مردوں کے بعد بچوں کی اور ان کے پیچھے عورتوں کی صفیں ہوتیں۔ آپ ﷺ نے عام حکم دیا تھا کہ لوگو! عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکو۔ فرمان رسول ﷺ کے الفاظ درج ذیل ہیں:

«لاَ تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ» (٥)

"خدا کی لونڈیوں کو خدا کی مسجد سے روکا نہ کرو"۔

عہد نبوت کے بعد مختلف قوموں کے میل جول تمدن کی وسعت اور دولت کی فراوانی کے سبب سے

---

(١) سورۃ الحج:٧٨

(٢) سورۃ الاعراف:١٤٥

(٣) صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ماکان النبی یتخولہم بالموعظۃ، حدیث نمبر:٦٩، ١/ ٣٨

(٤) شوکانی، ارشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الاصول، ٢/ ١٨٢

(٥) صحیح بخاری، کتاب الجمعۃ، باب ہل علی من لم یشہد الجمعۃ غسل من النساء والصبیان وغیرہم، حدیث نمبر : ٨٥٨، ١/ ٣٠٤

عورتوں میں زیب وزینت اور رنگینی آچلی تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا! اگر آج آنحضرت ﷺ زندہ ہوتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے، خاص الفاظ یہ ہیں:

عن عمرة عن عائشة رضي الله عنها قالت: «لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهنّ المساجد، كما مُنعت نساء بني إسرائيل» (۱)

"حضرت عمرۃ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے فرمایا عورتوں نے جو نئی باتیں پیدا کی ہیں اگر آنحضرت ﷺ اس زمانے میں ہوتے اور دیکھتے تو جس طرح یہود کی عورتیں مسجد میں آنے سے روکی گئی ہیں یہ بھی روک دی جاتیں"۔

استحسان سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اجتہادات میں سے ایک اور مثال خواتین کے اپنے چہرے یا جسم سے بال اکھیڑنے کے جواز کا مسئلہ ہے، کیونکہ کے بال عموماً خواتین میں زیب وزینت کی علامت سمجھے جاتے ہیں جن کے ذریعے خواتین اپنے شوہروں کے لئے سامان زینت فراہم کرتیں ہیں۔ اگر بال گرنے لگ جائیں یا حد سے بڑھ جائیں تو اس کو خوبصورت بنانے کے لئے مختلف النوع قسم کے حربے آزمائے جاتے ہیں۔ عہد رسالت ﷺ میں خواتین بالوں کو گھنا کرنے کے لئے گوند کے ذریعے اور بالوں کے ساتھ بال جوڑا کرتیں تھیں تا کہ لمبے اور گھنے نظر آئیں۔ چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ سے جب اس بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"حَدَّثَنَا يَحْيَىٰ بْنُ إِسْحَاقَ، أَخْبَرَنَا ابْنُ لَهِيعَةَ، عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ الله ﷺ «لَعَنَ الْوَاصِلَةَ وَالْمَوْصُولَةَ، وَالْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ، وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ» (۲)

"حضرت عکرمہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بالوں کو جوڑنے والی اور جڑوانے والی پر لعنت فرمائی اور مردوں میں سے خواتین کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے اور خواتین میں سے مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والوں پر لعنت کرتے تھے"۔

اس روایت کو مدنظر رکھ کر اگر دیکھا جائے تو وہ خواتین جو زیب وزینت کے لئے اپنے چہرے کے زائد بال داڑھی یا مونچھوں کو اکھیڑتی ہیں۔ اس کا حکم بھی محل نظر بن جاتا ہے کہ یہ بھی حرام ہونا چاہیئے۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رائے اس کے جواز کی ہے، جو بظاہر حدیث کے ساتھ متعارض رائے نظر آتی ہے، جیسا کہ ان سے مروی ہے:

عَنْ مَعْمَرٍ، وَالثَّوْرِيِّ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ امْرَأَةِ ابْنِ أَبِي الصَّقْرِ، أَنَّهَا كَانَتْ

---

(۱) ایضاً، کتاب صفۃ الصلاۃ، باب انتظار الناس قیام الإمام العالم، حدیث نمبر: ۸۳۱، ۱/۲۹۶

(۲) مسند، امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲۲۶۲، ۴/۱۲۳

عِنْدَ عَائِشَةَ فَسَأَلَتْها امْرَأَةٌ؟ فَقَالَتْ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ فِي وَجْهِي شَعَرَاتٌ أَفَأَنْتِفُهنَّ أَتَزَيَّنُ بِذَلِكَ لِزَوْجِي؟ فَقَالَتْ عَائِشَةُ:«أَمِيطِي عَنْكِ الْأَذَى، وَتَصَنَّعِي لِزَوْجِكِ كَمَا تَصَنَّعِينَ لِلزِّيَارَةِ، وَإِذَا أَمَرَكِ فَلْتُطِيعِيه» (١)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن ابی لصقر کی بیوی راویت کرتی ہے وہ کہتی ہے ! میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھی۔ ایک خاتون نے آپ کی خدمت میں عرض کیا!اے ام المؤمنین: میرے چہرے پر بال ہیں کیا اپنے خاوند کے لئے خوبصورتی اختیار کرنے کے واسطے میں انہیں اکھیڑ سکتی ہوں ؟اس کے جواب میں سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا!اپنے آپ سے تکلیف کو دور کیجئے،اور اپنے شوہروں کے لئے یوں بناؤ سنگھار اختیار کیا کریں۔ جیسا کہ تم کہیں جانے کے لئے خود کو تیار کرتی ہو اور جب تمھارا شوہر تمہیں کسی کام کا حکم دے تو اس کی فرمان برداری کیجئے"۔

اس روایت میں ظاہر قیاس کے تقاضوں سے عدول کیا ہے، اور ایک ایسی خفی وجہ کو جواز کے لئے بطور استدلال پیش فرمایاہے۔ جس کی طرف بادی النظر میں انسانی ذہن نہیں جاتا ۔ حقیقت میں آپؓ نے ایذا کا دفعیہ کیا ہے۔ چنانچہ استحسان کے طور پر اس کے جائز ہونے کا فتوی دیاجاتاہے تاکہ شوہر اپنی بیویوں سے بد ظن نہ ہو اور اس وجہ سے طلاق یا کسی فتنے میں پڑنے کے راستے مسدود ہو جائیں۔

٥- استصحاب

گذشتہ زمانہ میں کسی امر کے ثابت ہونے کی وجہ سے موجودہ یا آئندہ میں بھی اس کو موجود ہی ماناجائے تو اس کو اصطلاح میں استصحاب کہتے ہیں۔استصحاب کی اصطلاحی تعریف درج ذیل ہے۔

"إنه استدامة إثبات ما كان ثابتا، أو نفي ما كان منفياً حتى يقوم دليل على تغيير الحالة"(٢)

یہ کسی ثابت امر کو ثابت رکھناہے یا کسی ممنوع کام کو ممنوع رکھناہے یہاں تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل آجائے، جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ ثابت کام ممنوع ہے یا یہ ممنوع کام اب جائز قرار دیا گیاہے۔

چنانچہ کوئی بھی حکم بغیر نص کے ثابت نہیں ہوتا اور نص کے آنے تک وہ سابقہ حکم بر قرار رہے گا۔

استصحاب سے متعلق سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اجتہادات میں بھی راہنمائی ملتی ہے اور انہوں نے اس کو بطور مصدر اپنے بعض فتاویٰ میں اختیار کیاہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی عمل کے واجب ہونے کے لئے اس کے حکمِ اصلی کو دیکھتی تھیں پس اگر کسی حکم کا منسوخ ہونا ثابت نہ ہو تو پہلے والے حکم کو بحال رکھتی تھیں۔

جیسا کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "پنیر" کھانے کے بارے میں سوال کیا؟ حضرت عائشہ

---

(١) المصنف عبد الرزاق، ٣ / ١٤٦

(٢) نملہ، عبد الکریم، المذہب فی اصول الفقہ المقارن، مکتبۃ الرشد، ١٩٩٩ء، ٣/ ٩٥٩

رضی اللہ عنہا نے فرمایا! اگر آپ اس سے نہیں کھانا چاہتی تو پھر مجھے دے دیجئے ہم کھالیں گے۔[(۱)] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُه إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّه رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰہ بِه فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾[(۲)]

"اے محمد ﷺ! ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا، جو کسی کھانے والے پر حرام ہو۔ الّا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے، یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں کوئی چیز ان میں سے کھالے بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حد ضرورت سے تجاوز کرے"۔

کیونکہ قرآن کریم اور سنت رسول اللہ ﷺ سے پنیر کھانے کی ممانعت سے متعلق کوئی نص ثابت نہیں اس لئے اس کے عدم جواز کی صورت نہیں بنتی، جبکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے جب تک کہ اس کی حرمت کی دلیل شارع کی طرف سے پایہ ثبوت تک نہ پہنچے۔

اس حوالے سے ایک مسئلہ زیورات کے جواز وعدم جواز سے متعلق ہے، جس کے بارے میں دو آراء پائی جاتی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خواتین کے لئے زیوارات کے مطلق استعمال کے جواز کی قائل تھیں اور یہی مسلک جمہور فقہاء کا بھی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے زینت اور بناؤ سنگھار کے طور پر دیکھتی ہیں جو خواتین کی فطری ضرورت کے علاوہ سماجی تقاضا بھی ہے تاکہ وہ خود کو اپنے شوہروں کے سامنے زیب وزینت کے ساتھ پیش کر سکیں۔

اس حوالے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا اپنی بھتیجیوں کو سونے اور موتیوں سے بنے زیورات پہنایا کرتی تھیں۔[(۳)] چنانچہ یہ حکم بھی کسی چیز کو اپنی اصل پہ برقرار رکھنا ہے جب کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ خواتین کے لئے اس میں کوئی ممانعت یا قید نہیں جبکہ مردوں کے لئے اسے منع کیا گیا ہے۔

۶- عرف:

شریعت اسلامیہ میں زمانے اور مکلف کے احوال کی رعایت کا اہتمام بھی موجود ہے کیونکہ یہ شریعت ایک

---

(۱) بیہقی، احمد بن الحسین بن علی، السنن البیہقی الکبری، حدیث نمبر: ۱۹۴۷۲، مکتبۃ دار الباز، مکۃ المکرمۃ، ۱۴۱۴ھ، ۱۰/ ۶

(۲) سورۃ الأنعام: ۱۴۵

(۳) المصنف عبد الرزاق، کتاب الزکاۃ، باب التبر والحلی، حدیث نمبر: ۷۰۵۲، ۴/ ۸۳

عملی شریعت ہے۔ جس کا تعلق انسان کی دنیاوی اور آخروی فلاح کے ساتھ ہیں۔ اس لئے احکام شرع میں عرف کا اعتبار بھی چند شرائط کو ملحوظ نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ اس لئے بعض احکام مرور زمانہ کی وجہ سے متغیر ہوتے رہتے ہیں۔ عرف کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ "جس امر کے لوگ عادی ہو جائیں اور باہمی تعامل ہو جائے اور باہمی تعامل میں ایک ہی طرز عمل اختیار کریں اسے عرف کہتے ہیں"۔ عرف کی حجیت کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾[1] عفو سے کام لیجئے اور عرف کے مطابق حکم دیجئے۔

امام الشاطبی رحمۃ اللہ علیہ عرف پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"العوائد أيضا ضربان بالنسبة إلى وقوعها في الوجود: أحدهما: العوائد العامة التي لا تختلف بحسب الأعصار والأمصار والأحوال، كالأكل والشرب والفرح والحزن، والنوم واليقظة، والميل إلى الملائم والنفور عن المنافر، وتناول الطيبات والمستلذات واجتناب المؤلمات والخبائث، وما أشبه ذلك"[2]

"عادتیں وجود میں آنے کے اعتبار سے دو قسم کی ہیں۔ ایک ان میں سے وہ تمام عادتیں جو کسی زمانہ اور کسی مقام میں بدلتی نہیں ہیں۔ جیسے کھانا، پینا، غم، خوشی، سونا، جاگنا، پسندیدہ چیزوں کی طرف رغبت، نفرت کرنے والی چیزوں سے نفرت، پاکیزہ اور لذیذ چیزوں کا استعمال ضرر رساں اور گندی چیزوں سے پرہیز اور جو چیزیں ان کے مشابہ ہیں وہ سب کلی عادت میں شمار ہوں گی"۔

فقہاء نے مقررہ حدود و قیود کے مطابق عادت کو نہایت اونچا مقام دیا ہے۔ اس کی وجہ سے حالات و مقامات کے لحاظ سے احکام میں تبدیلی کی جاتی ہے[3]، البتہ وہ عادتیں جو شریعت کے احکام سے متصادم ہوں ان کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا چھٹا اصول استنباط عرف ہے۔ عرف کی مثال "سن ایاس"[4] کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے ہے۔ سن آیاس اور بلوغت کی عمر تک پہنچنے کی علامت حیض ہی ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک اہم پہلو ہے، جس پر بہت سارے احکام مبنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ سن ایاس سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

---

(١) سورۃ الاعراف: ١٩٩

(٢) شاطبی، ابراہیم بن موسی، الموافقات، محقق: ابو عبیدۃ مشہور بن حسن آل سلمان، دار ابن عفان، طبع: اول، ١٩٩٧ء، ٢/٢٤١

(٣) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، قدیمی کتب خانہ آرام باغ، کراچی، ١٩٩١ء، ٣٠٨

(٤) سن ایاس سے مراد خاتون کی وہ عمر جس میں حیض کا آنا بند ہو جاتا ہے۔ الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ،: وزارۃ الأوقاف والشئون الإسلامیۃ –الکویت، طبع: دوم، دار السلاسل –الکویت، ٢/١٥

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: «قَلَّ امْرَأَةٌ تُجَاوِزُ الخَمْسِينَ فَتَحِيضُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ قُرَشِيَّةً»(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "عورتوں میں سن ایاس عموماً پچاس برس کی عمر میں ہوتا ہے سوائے قریشی عورت کے"۔

اسی طرح بالغ ہونے کے بارے میں فرمایا کہ جب لڑکی نو سال کی ہو جائے تو وہ عورت ہے یا یہ کہ جب لڑکی کے ایام مخصوصہ کا آغاز ہو جائے تو وہ خاتون ہے۔ درج بالا آراء سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ بلوغت اور سن ایاس کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عادت کا اعتبار کیا ہے۔ اور عادت کا اعتبار کرکے اسی بنیاد پر فتویٰ دیا گیا ہے۔ جبکہ سن آیاس میں قریشی عورت کو استثناء عادت کے مختلف ہونے کی بناء پر دیا گیا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے معیار تکلیف چونکہ بلوغت کو بنایا ہے۔ جب کہ بلوغت کے آثار کے ظاہر ہونے پر آب وہوا، غذا اور دیگر خارجی وداخلی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ "بلوغت کے آثار" مختلف خطوں میں مختلف عمر میں ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے شریعت نے اس کے لئے ایک خاص مدت یا عمر متعین نہیں کی، بلکہ اسے احوال وعادات پر مبنی قرار دیا ہے۔ سیدۃ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذکورہ مؤقف اسی اصول پر مبنی ہے۔

اسی طرح عرف وعادت کا اعتبار حمل کے اکثر مدت کے بارے میں بھی ہیں۔ کیونکہ حمل کی کم سے کم مدت پر تو فقہائے کرام کا اتفاق ہے کہ وہ چھ ماہ ہے ۔ جس کا ثبوت قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتا ہے کہ:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا حَمَلَتْه اُمُّه كُرْها وَّوَضَعَتْه كُرْها وَحَمْلُه وَفِصٰلُه ثَلٰثُوْنَ شَهرًا﴾(۲)

"اور ہم نے تاکید حکم دیا انسان کو اس کے والدین کے متعلق نیکی کرنے کا، اٹھایا ہے اس کو اس کی ماں نے تکلیف اٹھا کر، اور جنا ہے اس کو تکلیف سے، اور اس کا حمل اور دودھ چھڑانا تیس ماہ تک ہے"۔

اس آیت کریمہ میں حمل اور دودھ پلانے کی مکمل مدت ڈھائی سال کی بیان کی گئی ہے۔ جبکہ رضاعت سے متعلق ایک اور آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد مبارک ہے کہ:

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَي الْمَوْلُوْدِ لَه رِزْقُهنَّ وَكِسْوَتُهنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾(۳)

"اور مائیں یعنی بچے والی عورتیں اپنے بچوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور والد کے ذمہ ہے۔ ان کا کھانا اور لباس دستور کے مطابق۔ چنانچہ ان دو آیات مبارکہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دودھ پلانے کی مدت

---

(۱) أندلسی، سلیمان بن خلف بن سعد بن ایوب، المنتقی شرح الموطا، باب المستحاضۃ مطبعۃ السعادۃ، طبع: اول ۱۳۳۲ھ، ۱/۱۲۶

(۲) سورۃ الاحقاف: ۱۵

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲۳۳

دو سال ہے جبکہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے"۔

اس کے برعکس حمل کی اکثر مدت کیا ہے اس بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس بارے میں رائے یہ ہے کہ اس کی اکثر مدت دو سال ہے اور حمل دو سال تک ماہ کے پیٹ میں رہ سکتا ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

جميلة بنت سعد عن عائشة قالت: «ما تزيد المرأة في الحمل على سنتين» [1]

"جمیلہ بنت سعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہے کہ ام المومنین نے فرمایا:" کسی خاتون کا حمل دو سال سے زائد عرصہ پر محیط کبھی نہیں ہوا"۔

اس مسئلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے استدلال عرف وعادت سے فرمایا ہے۔عموماً حاملہ خواتین کو دیکھا گیا ہے کہ حمل کبھی دو سال سے زائد مدت تک پیٹ میں نہیں رہتا ۔چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس رائے کو بنیاد بنا کر فتویٰ دیا گیا کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہی ہے اس پر بہت سارے احکام مرتب ہوتے ہیں اور عموماً فقہائے کرام نے ام المومنین حضرت عائشہ اللہ رضی اللہ عنہا کے قول کو اختیار کیا ہے۔

خلاصہ کلام:

اصول استنباط سے مراد وہ اصول ہیں جن سے مسائل کے حل کے لئے دلیل پیش کی جاتی ہے۔اصول استنباط روزمرہ کی زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں معاون و مددگار ہوتے ہیں۔اسلامی علوم کی ابتداء دورِ رسالت میں ہوئی اور ان علوم کی نشو و نما دورِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین میں ہوئی۔دور صحابہ میں خواتین کی سرخیل ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عظیم عالمہ، مفسرہ، محدثہ، فقیہہ تھیں۔آپ رضی اللہ عنہا کی علمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے علوم دینیہ کی تعلیم و تبلیغ کا کام نصف صدی تک کیا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا علوم القرآن،علوم الحدیث ،روایت و درایت، فرائض، حلال و حرام،فقہ،شاعری ،طب،نسب دانی میں خصوصی مہارت رکھتی تھی۔آپ رضی اللہ عنہا کا شمار مکثرین فتاویٰ میں ہوتا ہے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک چوتھائی شریعت کا منقول ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اعلیٰ خاندانی اوصاف کے ساتھ ساتھ بے مثال حافظہ،ذہانت،فصاحت بلاغت سے نوازا تھا۔تعلیم و تربیت کے فروغ کا شوق و ذوق اور خلوص ہی تھا جس کی وجہ سے آپ کے شاگردوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔آپ رضی اللہ عنہا علم و حکمت کا روشن چراغ تھیں،جس سے استفادہ ہر طالب علم اپنے ظرف کے مطابق کرتا تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سات مکثرین فتاویٰ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں آپ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں،جبکہ صحابیات اور امہات المؤمنین میں سے صرف ام

(١) السنن الکبری، بیہقی، کتاب العدد، باب ماجاء فی اکثر الحمل، حدیث نمبر: ١٥٣٣٠، ٧/ ٤٤٣

المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا مکثرین فتاوی میں سے ہیں۔ مسائل کے استنباط کے لئے سب سے پہلے قرآن کریم پھر سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع فرماتی تھیں۔ اس کے علاوہ آپ کے اصول استنباط میں قیاس، استحسان، استحصاب اور عرف شامل ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا سے عوام خواص مسائل پوچھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تمام انسانیت کے لئے اور بالخصوص خواتین کے لئے قابل تقلید اور قابل فخر مثال ہیں۔

سفارشات :

مقالہ ہذا کی روشنی میں سفارش کی جاتی ہے کہ فقہی مسائل اور فروع پر عصر حاضر میں زیادہ ارتکاز کیا جاتا ہے جبکہ اصول کو نظر انداز کیا جاتا ہے چنانچہ اس بات کی ضرورت ہے کہ اصول پر توجہ دی جائے اور اس کی روشنی میں فروع کا مطالعہ کیا جائے کیونکہ اصول کے ذریعے ہی فروعات کو مربوط و منظم کیا جا سکتا ہے۔ متقدمین فقہیہ صحابیات، تابعیات اور ان کے بعد گزرنے والی فقیہات کے کام کو مربوط انداز سے سامنے لایا جائے اور فقہیات صحابیات کے اصول استنباط کا مطالعہ کیا جائے۔